جناب محمد عبداللہ صاحب حیدرآبادی
آئی۔ اے۔ ایس (ریٹائرڈ)

# کسبِ دُنیا اور طلبِ دُنیا میں فرق

اسلام کسبِ حلال سے منع نہیں کرتا بلکہ اس پر زور دیتا اور اسے فرض قرار دیتا ہے کہ آدمی حصولِ معاش میں حلال اور حرام کی تمیز کرے اور حدودِ مقررہ سے آگے نہ نکلے۔ حُبِ دنیا یعنی دنیا کی محبت سے منع کیا گیا ہے۔ کہ یہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ حُبِ دنیا جو حرام ہے اس سے مراد دنیا کو "معاد" سے قطع نظر کرکے دنیوی زندگی کو بالذات محبوب و مطلوب بنانا ہے۔ ورنہ مالی اور دنیاوی نفس محبت تو طبعی اور خداداد ہے۔ اسلامی معاشیات کے منافی وہ حبِ دنیا ہے جسے جدید معاشیات نے کسی نہ کسی درجہ دین اور معاد سے کاٹ کر بالذات محبوب و مطلوب بنا رکھا ہے۔ ورنہ نفس کسبِ دنیا تو اسلام کی معاشی تعلیمات کی رو سے بعض قیود کے ساتھ ضروری ہے۔ شریعت کی رو سے تجارت کرنا فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح زراعت کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ زندگی موقوف ہے ان چیزوں پر لیس ضروریات زندگی (معاش) کی تحصیل فرض کفایہ ہے۔ اور فرض کفایہ یہ ہے کہ بعض کے کرنے سے وہ کام بقیہ لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے۔ ورنہ سب پر فرض ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اسلام کسبِ دنیا سے منع کرتا ہے۔ قرآن نے تو روزی کمانے اور تلاش معاش کو "اللہ کا فضل" تلاش کرنا قرار دیا ہے۔ بھلا اس سے کون منع کرسکتا ہے۔ البتہ "محبت دنیا" اور اس میں استغراق جائز نہیں کہ جس کے نتیجے میں انسان آخرت سے غفلت برتے۔ ظاہر ہے کہ ہزاروں سال بلکہ نہ ختم ہونے والی ابدی زندگی کے مقابلہ میں ساٹھ ستر برس کیا سو دو سو برس یا عمرِ نوح ہی کوئی بساط کہتی کہ بذاتِ خود اس کے کسی مسئلہ کو اتنی اہمیت دی جائے اور اس کو اس درجہ مشکل اور لاینحل سمجھ کر زندگی کا ہر لمحہ اور ہر نفس اس کے لئے وقف کر دیا جائے۔ اسلام کی نظر میں تو دنیا کی اس زندگی کے وہی مسائل لائقِ التفات ہیں جن کا دامن واسطہ یا بلا واسطہ کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی درجہ میں آخرت سے بندھا ہوا ہو۔ یہ تو معاشی مسائل اور مشکلات کا سب سے پہلا اسلامی اصول ہوا۔ کہ دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی غیر فانی زندگی، یا معاش کو معاد کے ساتھ جوڑنے اور بالکلیہ اس کے تابع اور اس کے ماتحت کرنے کی صورت

معاشی مسائل و مشکلات اس معنی میں اور اس حد تک سرے سے مسائل اور مشکلات ہی نہیں رہتے جس معنی میں اور جس حد تک "غیر منادی" معاشیات نے ان کو سمجھ اور بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو چونکہ خدا کا خلیفہ اور امین کا منصب دے رکھا ہے اس لئے لازم تھا کہ خلافت اور امامت کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے بقدر اس کو ارادہ کی آزادی اور اختیار بھی عطا ہوا۔ اور اسی آزادی اور اختیار سے وہ اپنی دنیوی زندگی یا معاشی حاجتوں کی سربراہی میں کام لیتا۔ مگر خدا کا خلیفہ اور بندہ رہ کر نہ کہ خدا کا منکر ہو کر۔ ارشاد خداوندی ہے :

"تمہارے اموال اور اولاد تم کو خدا کی یاد اور اطاعت سے غافل نہ کر دیں جو ایسا کریں گے وہ گھاٹے میں رہنے والے ہوں گے۔" (منافقون رکوع ۲)

اسلام نے انسان کی انسانیت یا تکوینی فطرت کو خلافت قرار دیا ہے اس کی تشریحی تکمیل و تربیت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ زندگی کے تمام دائروں اور شعبوں میں افراد کو جبر سے نہیں بلکہ اپنے اختیار اور رضا سے خیر کو اختیار کرنے۔ اور شر اور گمراہی کو ترک کرنے کی زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو اور خارجی پابندیاں کم سے کم ہوں بس اس درجہ میں کہ کسی فرد کی آزادی میں مخل نہ ہو۔ اس لئے حکومت کا کام انفرادی آزادی کی طرف اس حد تک نگرانی اور روک تھام کرنا ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنے محل اور مقام کے اعتبار سے، اپنی انسانیت کی تکمیل میں دوسروں کی مداخلت و مزاحمت سے محفوظ رہے۔ معاشی دائرہ میں ایک طرف حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کے شہریوں میں ایک فرد بھی اتنا تنگ دست نہ رہنے پائے کہ اسے یہ فکر لگی ہو کہ کل اس کے بچے کیا کھائیں گے۔ اور دوسری طرف وہ اغنیاء اور مالداروں کو اتنی آزادی نہ دے کہ وہ عیاشی اور اوباشی یا لہو لعب اور مسرفانہ عادتوں میں من مانے طور پر اپنا مال اڑاتے رہیں۔ ساتھ ہی ان کے مال سے قانونی اور جبری طور پر وہ اتنا حصہ وصول کرے جس سے دوسروں کی فاقہ کشی اور تنگ دستی دور کی جا سکے۔ مگر "سرمایہ داری" کو اپنی بنا کر حکومت کو اس کا بالکل حق نہیں کہ وہ زائد دولت رکھنے والے افراد کی زائد دولت سلب کر کے ان کو صرف دولت کے اختیاری فضائل و کمالات کے ان مواقع سے محروم کر دے جو وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کام لے کر انفرادی طور پر کر سکتے تھے۔ اور جس سے ان کے اصلی انسانی جوہر یا اختیاری فطرت اور اخلاقی جوہر کو جلا ملتی۔ البتہ حکومت کو اس کا نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ شراب و کباب اور دیگر منشیات رقص و سرود، سینما تھیٹر، جوا اور گھوڑ دوڑ بلکہ بیڑی اور سگریٹ تک کی نوعیت کے بیشمار رائج الوقت فضولیات اور بے راہ رویوں کو قانوناً ناجائز قرار دے دے جن سے امیروں کو اپنا زائد از ضرورت روپیہ خیر خیرات، رفاہی امور اور صحیح انفاق کے بجائے ضرر رساں فضول خرچیوں میں اڑانے کی ترغیب و تحریص ہوتی ہے۔ اور جس سے معاشرہ کا نہ صرف دینی، روحانی اور اخلاقی قوام بگڑتا ہے بلکہ دنیوی و جسمانی

نظام بھی درہم برہم ہوجاتا ہے۔ اور معاشرہ ذہنی بے راہ روی اور تخریبی کاموں کی راہ پر پڑ جاتا ہے۔ غرضیکہ اسلام ایک بالکل مربوط اور متوازن معاشی نظام پیش کرتا ہے جو اشتراکیت اور نری انفرادیت کے مضر عناصر سے پاک اور ان کی خوبیوں کا جامع ہے۔ سرمایہ پرستی کے مضر اثرات کو دور کرنے کے لئے اسلام نے سلبی اور ایجابی دونوں طریقے اختیار کئے۔ جن کی وجہ سے پہلے تو سرمایہ داری کبھی اسلام میں جگہ ہی نہیں پا سکتی پھر جو کچھ سرمایہ پیدا ہوتا ہے اس پر ایجابی حدود اور شرائط عائد بھی کئے۔ تاکہ توازن دولت قائم رہے۔

"کہیں ایسا نہ ہونے پائے کہ دولت تمہارے مالداروں کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے" (سورۂ حشر)

اللہ تعالیٰ ہی کو دولت اور دولت کے ماخذوں کا حقیقی مالک قرار دیا گیا اور انسانوں کی حقیقی ذاتی ملکیت کی نفی کی گئی۔ وہ دولت کے محض امین ٹھہرائے گئے۔ ہماری اصطلاحی ملکیت کے معنی صرف تمتع کے حقوق کے ہیں۔ از روئے قرآن ساری دولت کو متاع کی حیثیت دی گئی ہے۔ "متاع" سے استفادہ کے لئے حدود و شرائط قائم کئے گئے اسلامی حکومت اس کی نگران قرار پائی تاکہ "معاشی توازن" اور سماجی انصاف برقرار رہے۔ مذہبی پیشوائی کے روپ میں مال کے ناجائز حصول کو ممنوع قرار دیا گیا۔ حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کو ناجائز قرار دے کر مذہبی اور معاشی اصلاح کی تاریخ میں ایک انقلابی قدم اٹھایا۔

"پیدائش دولت" "صرف دولت" اور "تقسیم دولت" پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی گئیں۔ مثلاً سودی عناصر کو بے دخل کیا گیا۔ سود خور سرمایہ داروں کے خلاف ایک محاذ جنگ کا اعلان ہوا۔ سود کے سارے بقایا کو یک قلم منسوخ کیا گیا ذخیرہ اندوزی۔ احتکار اور اکتناز (زر اندوزی) کو ممنوع قرار دیا گیا اور اس پر وعید فرمائی گئی۔ تباہ کن ناجائز اجارہ داری کا خاتمہ کیا گیا۔ خاص خاص ذرائع دولت کو "مفاد عامہ" کی خاطر حکومت کی ملک قرار دیا گیا۔ محفوظ اور ترقی پذیر سرمایہ پر سماجی تحفظ کا ٹیکس عائد کیا گیا۔ یعنی زکوٰۃ۔ اس کے منکرین کو دائرۂ اسلام سے خارج ٹھہرایا گیا انہیں ارتداد اور بغاوت کا مجرم قرار دیا گیا۔ جن کے خلاف جہاد واجب ٹھہرا۔ حالات غیر معمولی پیش آجائیں اور عام حدود کی پابندی اور زکوٰۃ عشر وغیرہ محاصل، عام قومی احتیاجات کے لئے ناکافی ثابت ہوں تو اہل الرائے کا یہ فتویٰ ہے کہ مالداروں کے زر و مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی اہل حاجت کا حق ہے اور ہر بستی کے اغنیاء کا فرض ہے کہ اہل حاجت کی ضروریات کی تکمیل کریں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دان پن اور بھکشا کو نیکی قرار دے کر گداگروں اور سائلوں کے ایک غیر ذمہ دار آوارہ منش اور نکموں کے طبقہ کی پرورش کی جائے۔ "سوال" کرنے کو تو اسلام نے حرام کر دیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ بھیک مانگنے والے بلکہ بھیک دینے والے بھی مجرم قرار دئے گئے ہیں۔ حدیث نبوی صلعم ہے کہ باوجود غنی اور توانا ہونے کے جو بھیک مانگتا ہے وہ جہنم کے انگارے جمع کرتا ہے۔

اسلامی نظریہ کے تحت بنیادی ضروریات میں نہ صرف ایسی غذا جو انسانوں کی زندگی اور ضروریات کارکردگی کے لئے ناگزیر ہے اور ایسا لباس جو گرمی اور سردی میں صحت اور قوت کو برقرار رکھ سکے۔ اور ایسا مکان جو بارش اور گرمی و سردی کے مضر اثرات سے محفوظ رکھ سکے۔ اور رہ گزروں کی نظروں سے ان کی خلوت کی پردہ داری ہو سکے بلکہ طبعی ضروریات حتیٰ کہ کسی معذور و مجبور کے لئے کسی خدمت گار کی ضرورت ہو تو اس کی فراہمی تک بھی ضروری ہے۔ اور قرآن کریم کے صریحی احکام کی رو سے والدین کے ساتھ احسان لازمی ہے۔ نیز اہل قرابت۔ یتیموں مسکینوں رشتہ داروں، ہمسایوں۔ دوستوں، ہم وطنوں۔ مسافروں۔ لونڈی غلام اور خادموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ (سورہ نساء) معاشی احتیاجات کے معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں رکھا گیا بلکہ غیر مسلم پڑوسیوں اور ہم وطنوں کو بھی خاص صراحت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔

منشاء یہی ہے کہ معاشی مسائل کے حل میں مشترکہ اور عام سطح برقرار رکھی جائے۔ سوشلزم یا کمیونزم کے برخلاف اسلام نے نظام معیشت کے عناصر میں سے درجہ محکم غیر متزلزل اور حکیمانہ بنیاد فراہم کی ہے۔ یہ بنیاد اس کے لئے ایمانی تصورات اور عقائد اور ان سے پیدا ہونے والے اخلاقی اصول ہیں۔ اشتراکی مقاصد کو بام عروج تک پہنچانا ہو تو اس کے لئے اسلام ہی کی روحانی اور اخلاقی بنیادوں کو تسلیم کرنا لازمی ہے۔ اسلام کی الٰہی حکومت اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی نمونہ ہی انسانیت پرور، ترقی افزا اور پائیدار منصفانہ معاشی نظام فراہم کرتا ہے۔ اس لئے اسلام ہی انسانیت کا روشن مستقبل ہے۔

اسلام کے بارے میں خود لینن کے اظہار خیال کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ وہ کہتا ہے:۔

" دنیا میں جب کبھی اعتدال قائم ہوگا تو اس کی صورت سوائے اسلام کے اور کہیں نہیں ہوگی۔ کیونکہ اسلام کا نظام نوع انسان کی بقا کے لئے ایک بہترین ضمانت ہے۔"